GUMAN
گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

فکری جہتیں اور شاعر لاہوری ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ

تحقیقی و تنقیدی جائزہ

Ghulam Shabir
PhD Scholar, Department of Urdu,
NCBA&E sub-Campus Multan
at-Shabirsial506@gmail.com

Saira Bano
PhD Scholar, Department of Urdu,
NCBA&E sub-Campus Multan
at-Sb2036693@gmail.com

Dr. Muhammad Shakil Pitafi
Professor, Department of Urdu,
NCBA&E sub-Campus, Multan
at-Shakilpitafi@gmail.com

Dr. Aslam Aziz Durani
Professor, Department of Urdu,
NCBA&E sub-Campus, Multan
at-Aslamazizdurani22@gmail.com

SCAN ME

Abstract

Dr, Allama Muhammad Iqbal (1877.1938) Hakeem ul umaat is a Muslim thinker. His poetry is a reflection of the characteristics of the Muslim Ummah and practical explanations and priorities. Allama Muhammad Iqbal is called Hakeem.ul. umaat because in his thoughts a unique modern ideological diversity emerges with religious and mystical حکمی و عرفانی issues and linguistic paradoxes, which gives Iqbal a prominent position among poets. Kalam e Iqbal is completely and purest form of religious and mystical issues and revolutionary thoughts. In his thought, Iqbal has derived his philosophy of self-political, economic, civil, social, cultural, religious, educational and training variations from his spiritual and mystical insight. Generally. poets the original field of passion is limited to thinking, but the specialty of Iqbal, s speech is this, that in it, strategy and practical mysticism emerge in every aspect. Because in Kalam e Iqbal the wise points have been melted in the furnace of emotions and molded in to authenticity and passion, and such truths are revealed which are also felt and these views. But the extent of the process is also clear, In this article, the ruling and mystical issues of Hukmee and irfani, the philosopher, poet, have been discussed in the poetry of Iqbal Lahori, and the review of some important poems

regarding the linguistic diversity of OWZAAN and BAHOOR has been taken in to consideration. Poet of Lahore has enlightened not only the indian sub.continent but also the muslim Ummah with fresh thoughts. What aspects of modern post neo demographic trends can be derived in Allama,s poetry? In this light of Quran and Hadith, Iqbal has shaped the moral and character of every person of every age. No doubt, Allama Iqbal ia a genius creature in Muslim Ummah.
Keywords: Characteristics, modern, ideological, diversity, religious, mystical, linguistic, Paradoxes, revolutionary, spiritual, insight, molded, OWZAAN, BAHOOR, Enlightened, neo demographic, aspects.

ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ (1877۔1938) اردو شاعری میں نظریے کی اساس کے بانی شاعر ہیں ان کی شخصیت کے بے شمار پہلو ہیں اور ہر پہلو ادب کے قارئین کے لیے دلکشی کے ساتھ فکری تموج، ذہنی آبیاری اور دلی احساسات کی تربیت کا بہترین راستہ ہے۔ انہوں نے امت مسلمہ کے لیے حرکت و عمل کا نظریہ بنیادی جزو قرار دیا ہے۔ اقبالؒ جنون باشعور، دیوانگی و فرزانگی کے شاعر بے مثل ہیں کیونکہ ان کے خیال میں شاعری محض دل بہلانے کا ذریعہ نہ تھی اور نہ وہ مقصد سے عاری کلام کو شاعری کی عظمت کے درجے پر فائز کرتے تھے۔ یعنی اقبالؒ کے لیے فنون لطیفہ کی کوئی بھی صنف ہو ملک و ملت کی تعمیر و تربیت کی بنیاد ہے۔

شاعر کی نوا ہو کہ مغنی کا نفس ہو

جس سے چمن افسردہ ہو وہ باد سحر کیا

علامہ اقبالؒ کا مجموعی فلسفہ حیات صرف نظری نہیں بلکہ عملی توانائی سے بھرپور تھا۔ فکر اقبالؒ کی لامحدود جہات کا تعین کرتے ہوئے جدید سیاسی، سماجی، مذہبی، اخلاقی، قومی نظریات اور علمی اصطلاحات سے آگاہی از حد لازمی ہے جو کلام اقبالؒ کی تفہیم و توضیح کے لیے بنیادی شعور کی وجہ ثابت ہوتی ہے ۔ بلاشبہ ڈاکٹر علامہ اقبالؒ تحرک، تبدیلی اور سعی مسلسل کی ترغیب دینے والے شاعر ہیں، جہنوں نے بنی نوع انسان کے اجتماعی مسائل کے حل کے حوالے سے اپنی انقلابی فکر کی بنیاد رکھی، جو ملوکیت، ملائیت اور سامراجی، استعماری جبر کے شدید مخالف ہوئے۔ اقبالؒ کی شاعری میں حرکی اور عملی نقطہ ء نظر سے تجزیہ کیا جائے تو ان کی شخصیت کے صرف ایک دو نہیں بے شمار پہلو ہمارے لیے دلکشی و بیداری فکر کے لیے سعی کامل کا درجہ رکھتے ہیں اور حرکت و عمل کی ترغیب کا باعث بھی ہیں۔ وہ ایک ایسے عظیم شاعر کا درجہ رکھتے ہیں جن کے متعلق یہ کہنا بے جا نہیں کہ شاعر ذوق جمال یار، عشق حیات اور پاس چاک گریبان کا احساس بھی رکھتے ہیں۔

GUMAN گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

باچنین ذوق جنون پاس گریبان داشتم

در جنون از خود نہ رفتن، کار ہر دیوانہ نیست

ان کی پہچان کا اہم وسیلہ شاعری تو ہے ہی مگر نظریہ و فکر نے حرکت و عمل کے پہلو نے تکمیل مقصد کی راہ فراہم کر دی۔

شاعری زیں مثنوی مقصود نیست

دلبری جادو گری مقصود نیست

نہ شیخ شہر، نہ شاعر، نہ خرقہ پوش اقبالؒ

فقیر راہ نشیں است و دل غنی دارد 1

بحر۔ بحر مجتث مثمن مخبون، محذوف مقطوع

افاعیل: مفاعلن، فعلاتن، مفاعلن، فعلن

اقبالؒ کی شاعری میں حرکت و تحریک کے تحت زندگی کو تحرک و عمل کا متقاضی سمجھتے ہیں۔ اس میں انفرادی خوبی یہ ہے کہ اقبالؒ کا یہ فلسفہء حرکت و عمل تمام قومی، نسلی تعصبات اور طبقاتی تفریق سے بالاتر بھی ہے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

حکمی و عرفانی مسائل سے مراد وہ ذہنی و فکری بصیرت ہے، جس سے انسان معرفت حقائق اور اشیاء کے عیون و خواص کے جملہ پہلوؤں کا علم ہی حاصل نہیں کرتا بلکہ اس علم کی تہہ میں موجود اس غائیت کو بھی پاتا ہے۔ جو ان کے وجود کی اساس ہوتی ہے۔ تزکیہ و تعلیم کی آخری منزل حکمت ہے۔ علم صرف آگہی ہے۔ اور فکر یا حکمت اساس انقلاب ہے۔

تاریخ انبیاء اس امر کی گواہ ہے، جس بھی پیغمبر کو علم عطا ہوا اسے حکمت سے بھی نوازا گیا کیونکہ پیغمبرانہ علم کی شان یہ ہے کہ وہ نتیجہ خیز ہوتا ہے اور نتیجہ خیزی سوائے حکمت کے ممکن نہیں یہی وجہ ہے کہ اکبر الہ آبادی علامہ اقبالؒ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

در دیدہ معنی نگہباں حضرت اقبالؒ

پیغمبری کرد و پیمبر نتواں گفت

کلام اقبالؒ میں حکمی و عرفانی مسائل انقلابی فکر کی شکل میں نظر آتی ہے۔ فلسفہ خودی، سیاسی فکر، معاشی، عمرانی و سماجی، تہذیبی و ثقافتی، دینی و مذہبی، تعلیمی و تربیتی فکر میں جو تغیر ہے وہ اقبالؒ کی حکمی و عرفانی بصیرت کا نتیجہ ہے۔ شاعر کا اصل میدان جذبہ ہے مگر کلام اقبالؒ کا یہ خاصہ ہے کہ اس میں حکمت در

آئی ہے۔حکیمانہ باتوں کو اقبالؒ نے جذبات کی بھٹی میں پگھلا کر ان کو جذبہ عشق بنا کر پیش کیا اور حقائق ایسے ہیں جنہیں محسوس بھی کیا۔اس حقیقت کا ہر کوئی معترف ہے کہ علامہ اقبالؒ احیاء کے شاعر اور مفکر ہیں ان کی حکمت و آگہی میں ایک انقلابی رنگ ہے اگر انہیں انقلابی مفکر کہا جائے تو بے جانہ ہو گا ان کی فکر کی اساس اطاعت الٰہی اور عشق رسول ﷺ پر ہے،اقبالؒ ملت اسلامیہ کے محسن ہیں مجدد فکر دین ہیں،دانائے راز ہیں وہ بلاشبہ شاعر امروز فردا ہیں۔انہوں نے مسلمانوں کی روحانی،سیاسی،مذہبی،فقہی،علمی،فکری اور تمدنی احیاء کے لیے بہت کچھ لکھا اقبالؒ کے تمام حکیمانہ عرفانی افکار کی بنیاد اور سر چشمہ خودی ہے۔یہ اقبالؒ کے فلسفہ حیات و کائنات میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے اور یہ فکر قرآن کریم سے ماخوذ ہے سورۃ المائدہ کی آیت نمبر 105 استحکام خودی پر دال ہے۔ارشاد ربانی ہے۔

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم پر فرض ہے،خودی کی
محافظت،اگر تم ہدایت پر ہو تو وہ شخص جو گمراہ ہے تمہیں
کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا،تم سبھوں کو اللہ ہی کے پاس
واپس جانا ہے اور وہ تمہیں تمہارے اعمال سے مطلع کر دے گا۔،، 2

علامہ اقبالؒ اسی کے مفسر و پیامبر ہیں خدا بینی اور خود بینی اس عرفانی فکر میں لازم و ملزوم ہیں۔حضرت علیؑ کا فرمان ہے۔

"من عرفہ نفسہ فقد عرفہ ربہ،
جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ 3

ذات خداوندی کا ادراک خودی کے احساس سے ہے اور یہ ادراک خودی کے احساس کا اثبات و اقرار ہے اقبالؒ فرماتے ہیں۔

اگر خواہی خدا را فاش دیدن
خودی را فاش تر دیدن بیاموز

خودی کا تحفظ زندگی کا تحفظ اور خودی کا استحکام زندگی کا استحکام ہے ازل سے ابد تک خودی ہی کی کار فرمائی ہے۔علامہ اقبالؒ نے اپنی حکمی و عرفانی فراست سے اس فکر کا ذکر اپنے کلام میں جگہ جگہ نت نئے انداز سے کیا ہے۔کہیں بتاتے ہیں کہ خودی کا اصل راز لاالہ الااللہ میں پنہاں ہے توحید خودی کی تلوار کو تیز کرتی ہے۔اور خودی کی حفاظت کرتی ہے انسان کی زندگی میں کامیابی خودی پر منحصر ہے۔اسی سے انسان حق شناس ہوتا ہے حق و باطل کی تمیز کر سکتا ہے۔خودی زندہ ہو تو فقر میں شہنشاہی کی شان پیدا ہو جاتی ہے اور کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے تصرف میں آجاتا ہے۔مقاصد کی تخلیق حقیقت میں شعور ذات یا خودی کا نور ہے۔جو زندگی کو روشن کرتا ہے۔

نقطہ نورے کہ نام او خودی است

GUMAN
گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

زیر خاک ما شرار زندگی است

از محبت می شود پائندہ تر

زندہ تر،سوزندہ تر،تابندہ تر

اقبالؒ کا یہ فلسفہ حیات تمام انسانوں، قوموں کے افراد کے لیے برابر اہمیت کا حامل ہے۔اسے یوں کہا جاسکتا ہے کہ بے عمل عالم دین یا مذہب پرست بیدار فکر کافر،اقبالؒ کی نگاہ میں بہت خوب ہے۔

کافر بیدار دل پیش صنم

بہ ز دیندارے کہ خفت اندر حرم

من گویم از بتاں بیزار شو

کافری شائستہ زنار شو4

فکر اقبالؒ میں فلسفیانہ مضامین کی ترغیب ان کی زندگی اور فن کے سارے شعبوں میں نمایاں ہے۔تصوف جیسے پیچیدہ مسئلے وحدت الوجود پر غور و فکر اور اثرات کا انجذاب اور قبولیت کو اپنایا ہے۔ان کی نمایاں خوبی ہے کہ وہ محبوب کے جمال کو اہم گرداننے والے صوفی نہیں اور نفی ذات کے قائل نہیں بلکہ اثبات ذات کے خیال میں شوق دید کے آرزومند تو ضرور ہیں مگر منزل آگے عرفان ذات تک لے جاتی ہے۔

من تو شدم تو من شدی، من تن شدم توماں شدی

تاکس نہ گوید بعد ازاں من دیگرم تو دیگری

اقبالؒ کی متصوفانہ فکر کے حوالے سے کلام اقبالؒ کی اہمیت واضح عکس پیش کرتی ہے۔جس پر اقبالؒ کے ہم عصر مفکرین کا نقطہ نظر بھی نمایاں انداز لیے ہوءے ہے۔اقبالؒ نے اسلامی تہذیب و ثقافت کے پس منظر میں مسلم معاشرہ کی فکری ابتری، ذہنی افلاس، فکری زوال اور بے ربطگی، مجلسی زندگی کے انتشار و نفسا نفسی، عظیم مقاصد سے روگردانی اور اپنے جدید عصری مناقشوں اور علمی تقاضوں سے لاعلمی اور لاتعلقی کے بحران کو مدنظر رکھ کر اپنے کلام میں منفرد، متحرک نظام فکر و عمل وضع کیا۔اس نظام فکر میں "تصور خودی" کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔جبکہ منسلک تصورات اس سے تراشیدہ ہیں۔اور اسی سے کسب ضیاء کرتے ہیں۔علامہ اقبالؒ کے خواب ایک باعمل صوفی کی امت مسلمہ کی زندگی کی تعبیر سے وابستہ تھے۔اقبالؒ کے معیار کا پیمانہ "خودی" تھا۔چنانچہ جو چیز خودی کو استحکام دیتی تھی وہ ان کے نزدیک احسن تھی۔

اسرار خودی کے دیباچہ میں علامہ اقبالؒ لکھتے ہیں:

"خودی ایک حالت کشاکش کا نام ہے۔5

خودی کی جلوہ گری میں عشق مصطفیٰ ﷺ اور خلوت میں اللہ سے عشق کی صفات میں نے دست و پائی نہیں بلکہ وہ تو اجتماعی معاشرتی اصلاح وبقاءاور ارتقاء میں بنیادی حیثیت اختیار کرلیتا ہے۔ جس پر خطبات اقبالؒ میں درج ہے۔

"جس طرح کئی سیاروں کی باہمی کشمکش اور حرکت سے ایک
نظام شمسی بنتا ہے اسی طرح افراد کے اجتماع اور باہمی تعاون
سے ایک معاشرہ وجود میں آتا ہے اور ایک نامیاتی میکانی نظام
کی تخلیق ہوتی ہے۔6

اس نامیاتی نظام کی ایک ابدیت اور بقاء فکر و تخیل کی جولانی اور تخلیقی صلاحیت میں پوشیدہ ہے۔اقبالؒ لکھتے ہیں۔

"ایک تمدنی تحریک کی حیثیت سے اسلام کائنات کے ساکن تصور
کی نفی اور متحرک تصور کا اثبات کرتا ہے۔زندگی کی بنیاد روحانی
اور ابدی اقدار پر ہے۔اور اس ابدیت کادارومدار تنوع اور تبدیلی پر ہے۔
جس معاشرے کی بنیاد حقیقت کے اس تصور پر قائم ہوگی،وہ یقیناً تبدیلی
واختلاف کے تعاون سے ہم آہنگ ہوگا۔اس کی حیات اجتماعی کی تنظیم کے
لیے ابدی اصول ضروری ہیں۔"7

علامہ اقبالؒ کی بصیرت کے مطابق خودی اپنے ارتقاء کی تین منازل سے گزرتی ہے۔خودی کی ان تین منازل کو اقبالؒ"جاوید نامہ"میں یوں بیان کرتے ہیں۔

شاہد اول شعور خویش۔۔۔۔۔۔۔۔خویش را دیدن بنور خویشتن
شاہد ثانی شعور دیگرے۔۔۔۔۔۔۔۔۔خویش را دیدن بنور دیگرے
شاہد ثالث شعور ذات حق۔۔۔۔۔۔۔۔خویش را دیدن بنور ذات حق 8

اقبال۔۔رموز بے خودی،جاوید نامہ،کلیات اقبال الفیصل پبلی کیشنز لاہور

خودی کی منازل کا مقصد اقبالؒ یوں واضح کرتے ہیں:

بر مقام خود رسیدن زندگی است
ذات را بے پردہ دیدن زندگی است

خودی نہ جسم اور نہ روح کا نام ہے بلکہ یہ وہ قوت ہے جو ضمیر ہستی میں پنہاں ہے۔ جو فکر و مستی آہ سحر گاہی اور گریہ نیم شبی سے عیاں ہوتی ہے۔ اقبالؒ کی خودی کا تصور انفرادی اور اجتماعی ہے یہ علامہ کی بصیرت ہی تھی کہ وہ اپنے ماحول سے مرعوب کن تصورات سے بے نیاز نہیں ہو سکے یہ ان کا روحانی کرشمہ تھا کہ انہوں نے شک اور ضعف ایمان کی اس خوفناک فضا سے نکل کر آج سے کئی سو سال پہلے کی ہواوں میں سانس لینے کی کوشش کی۔ انسانیت کی تکمیل کے لیے ماضی سے سبق حاصل کرنے کو بہتر بنانے اور مستقبل پر غالب آنے کی جھلک دکھاتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ عرفان ذات کی اہم شرط فقر واستغناء کو قرار دیتے ہیں۔ فقر ارتقاءے خودی سے حاصل ہوتا ہے۔ طلب وہدایت کے لیے کسی مرد کامل کے آگے سر نیاز جھکانا خودی کو مستحکم کرتا ہے، اور اس میں شان حیدر و کرار پیدا ہو جاتی ہے۔ اقبالؒ فرماتے ہیں:

فقر خیر گیر بانان شعیر۔۔۔۔۔۔۔بستہ فراک او سلطان و میر

فقر بر کروبیاں شبخوں زند۔۔۔۔۔۔۔بر نوامیں جہاں شب خوں رند

اسی حوالے ڈاکٹر جاوید اقبالؒ لکھتے ہیں:

"خودی کے استحکام کے لیے دوسری اہم اخلاقی قدر
جس کو اپنانا اقبالؒ کے نزدیک ضروری ہے وہ فقر و
استغناء ہے فقر سے مراد مادی آسائشوں اور سہولتوں
سے لاتعلقی اور بے نیازی ہے، اقبالؒ کا فقر وہ فقر ہے
جو سوال کرتا ہے یا بھیک مانگتا ہے اس کا فقیر تو اپنی
خودی کی بیداری کے سبب اپنے آپ کو نہایت ہی بیش
قیمت شخصیت سمجھتا ہے۔"9

قرآنی فقر احتساب کائنات اور تسخیر حیات ہے جس کی مثال اقبالؒ نے یوں دی ہے:

فقر قرآں احتساب ہست و بود۔۔۔۔۔۔۔نے رباب و مستی و رقص و سرود

فقر مومن چیست؟ تسخیر کائنات۔۔۔۔۔۔۔بندہ از تاثیر او مولا صفات

اقبالؒ کہتے ہیں کہ فقر خودی کی تیغ کو تاب دار بناتی ہے اور بندوں پر جہانگیری کے راز فاش کرتی ہے۔ اسی طرح جب انسان کی خودی کسی مرد کی رہنمائی میں فقر و عشق کی منزلوں سے گزرتی ہوئی مقام مصطفوی سے آشنائی تک پہنچتی ہے تو اس میں پیغمبرانہ صفات پیدا ہو جاتی ہیں معجزات کی شان پیدا ہو جاتی ہے وہ لکھتے ہیں:

از محبت چوں خودی محکم شود۔۔۔۔۔۔ قوتش فرماں دہ عالم شود

پنجہ ءاو پنجہ ء حق می شود۔۔۔۔۔ ماہ ازانگشت او شق می شود10

اقبالؒ کا کہنا ہے کہ جب ہم خودی سے عرفان حق تک پہنچتے ہیں تو انسان مقصد حیات پالیتا ہے۔خودی کا اثبات عشق کے ذریعے سے ہی ممکن ہے اور اس کی تربیت بھی عشق ہی کی مرہون منت ہے اقبالؒ کا عشق صوفیانہ عشق نہیں جو اپنی ذات کو فنا کردے اور نہ ہی مجازی ہے جو معمولی آرزوؤں کے لیے تڑپتا ہے اقبالؒ کا عشق ایمان کا لازمی جز ہے اور الوہیت کا اقرار ہے۔علامہ اقبالؒ کے نزدیک عشق ایک عطیہ الہی اور نعمت ازلی ہے،اقبالؒ کے ہاں عشق اور ان کے مترادفات یعنی وجدان خود آگہی باطنی شعور،دل،محبت،شوق،آرزو مندی،درد،سوز،مستی اور سرمستی شدت احساس کے ساتھ ملتا ہے۔

اقبالؒ اجتہاد کو دین فطرت کے تسلسل کا لازمی جز و اور اسے ایک حرکی قوت تسلیم کرتے ہیں۔اس لئے انہیں تصور زمان و مکاں سے خصوصی دلچسپی تھی۔وہ تصور زمان و مکاں کی معنویت کو اسلامی نقطہ ء نظر کے دائرے میں رہ کر ہی سمجھنا چاہتے ہیں۔

کلام اقبالؒ میں فکری تناظرات میں تنوع اور معنویت کی تہیں ہیئت اور تکنیک کے مختلف تجربات سے زیادہ بہتر طور پر ابھرتی ہیں۔کلام اقبالؒ میں نظم پیام مشرق میں مغربی اثرات کا جوابی تاثر نمایاں ہو جاتا ہے پیام مشرق مئی 1923ء میں شائع ہوئی جس کے چھ حصے ہیں۔

1۔پیشکش (منسوب نام نامی امیر غازی امان اللہ)

2۔لالہ طور (رباعیات163)

3۔افکار (طویل نظمیں،51)

4۔مئے باقی (غزلیات،45)

5۔ نقش فرنگ (منظومات،25)

6۔ خردہ (متفرق اشعار)

اس کتاب کے ایک حصے میں اقبالؒ نے فارسی شاعری کی روایتی ہیئتوں اور تکنیک کو رد کر کے جدت طرز کو اپنایا۔یہ حصہ افکار و نظریات سے منسوب کیا گیا ہے جس میں چھ نظمیں مجموعی طور پر اپنی ہیئت اور تکنیک کے اعتبار سے فارسی شاعری کے لیے نئی طرز سے تجربہ کی گئی ہیں۔اور نیا انداز اپناتی ہیں۔یہ نظمیں درج ذیل ہیں۔

1۔ تسخیر فطرت 2۔ فصل بہار 3۔ سرود انجم 4۔ کرمک شب تاب

5۔ حدی 6۔ شبنم11

GUMAN گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

ان نظموں میں اقبالؒ کی جدت طرازی اور فکری تنوعات پر مختلف محققین و ناقدین نے بغور جائزے بھی لیے۔اسی طرح ڈاکٹر فرمان فتح پوری ان نظموں پر رقمطراز ہوتے ہیں۔

"تسخیر فطرت قدرے طویل نظم ہے۔اس میں میلاد آدم
انکار ابلیس، اغواءے آدم، آدم از بہشت بیرون آمد اور
صبح قیامت کے عنوان سے پانچ ٹکڑے شامل ہیں۔ان کی
بحریں اور زمینیں مختلف ہیں۔اور اس لحاظ سے یہ نظم اردو
شاعری (5) میں ایک نیا فنی تجربہ ہے۔ہیئت کے جدید تجربوں
میں بعض دوسری نظموں مثلاً فصل بہار، سرود انجم، کرمک
شب تاب، حدی اور شبنم کے نام آتے ہیں ان میں بند کے
مصرعوں کی تعداد اور ان کا نظام وزن قدیم ہیئتوں یعنی مسدس
مخمس اور مربع سے بہت مختلف ہے۔،،12

اس طرح ڈاکٹر عبدالشکور احسن نے بھی کم و بیش یہی انداز اقبالؒ کے انداز فکر پر پیش کیا وہ یوں لکھتے ہیں:

"بعض نظموں میں جو فصل بہار، کرمک شب تاب،
حدی،۔۔۔نغمہء سار بان حجاز اور شبنم سے عبارت ہیں
،شاعر نے ہیئت کے نئے تجربے کئے ہیں۔"13

مولانا غلام رسول مہر نے اس ضمن میں اپنی رائے دی ہے کہ:

"یہ حصہ تقریباً 40 صفحات پر مشتمل ہے۔بہار اور شبنم
پر جو نظمیں ہیں، ان کی بحریں بالکل نئی ہیں۔"14

اس کتاب میں اقبالؒ کی پہلی نظم "تسخیر فطرت" جو پانچ ضمنی عنوانات میں تقسیم ہے۔

1۔میلاد آدم 2۔انکار ابلیس 3۔اغوائے آدم 4۔آدم از بہشت بیرون آمدہ می گوید 5۔صبح قیامت (آدم در حضور باری)

یہ نظم مضموعی طور پر کلام اقبالؒ ہی نہیں فارسی شاعری میں نیا اور منفرد تجربہ ثابت ہوئی ہے۔جس میں موضوع اور تکنیک کے پیچیدہ تعلق پر مثالی نمونہ ہے۔تمثیلی انداز کی حامل یہ نظم اپنے اختصار کی جدت کا کرشمہ ہے، کل پانچ حصے 35 اشعار میں کائنات کے آغاز تخلیق آدم سے محشر کے زمانے کو دائروی

GUMAN گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

تقسیم میں ترتیب دیا گیا ہے۔ یہ نظم ایجاز کلام اور فکری اظہار کا کرشمہ قرار دی جاتی ہے۔ پہلا حصہ جو صرف پانچ اشعار پر مشتمل ہے، معجزہء عالم کی مسرت سے آغاز صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ مختلف آوازیں جو تخلیق انسان پر ایک عالم کیف و سرور کی سرمستی کا اظہار یہ ہیں۔ یہ حصہ بحر رمل پر مشتمل ہے۔ (فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلاتن، فعلن)

لازوال سرور و خروش اس سروش سے امڈتا ہے جیسے:

نعرہ زد عشق کہ خونیں جگرے پیدا شد

حسن رزید کہ صاحب نظرے پیدا شد

یہ باب اول ہے جس میں تمثیل نگاری کا انداز نمایاں ہے راوی کہانی کے بیان میں قدیم داستان گو کہانی کے لطیف احساس میں مبتلا اظہار کی لذت سے مزین ہے۔ اور یہی لذت احساس سامعین جو الاؤ کے گرد بیٹھے رقص و سرود کی کیفیت میں کھو چکے ہیں۔ داستان گو بتاتا ہے کہ ایک ایسا صاحب نظر کائنات میں پیدا ہوتا ہے جو اپنی فطرت کے باعث خود گر، خود شکن، خود شناس اور خود گر ہے جس طرح داستان گو کہانی کے مختلف کرداروں کے مکالمے جذباتی اتار چڑھاؤ، ٹھہراؤ لہجے کے فرق کے ساتھ ادا کرتا ہے۔ کچھ یہی ربط اس حصے کی نمائندگی کرتا ہے۔

یہ اقبالؒ کا فنی کمال اور تجربہ ہے کہ مختلف احساسات کی آوازوں میں فنی ترکیب و ترتیب ایک متوازن لحن دریافت کیا ہے۔ یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ نظم "جاوید نامے" کا اولین نقش ہے۔

نظم کے دوسرے حصے میں ابلیس خدا کے حضور "نئی مخلوق کو سجدہ کرنے کا انکاری ہے بال جبریل کے اشعار سے بہترین دلیل سامنے آتی ہے۔

"اسے صبح ازل انکار کی جراءت ہوئی کیونکر

مجھے معلوم کیا وہ رازداں تیرا ہے یا میرا

یقیناً ابلیس کے انکار کی دلیل میں یہ پس منظر فخر و غرور اور کھردرے پن، درشتی سے بھرپور انداز بیان کے لیے حرکی تبدیلی لازم و ملزوم تھی۔ فنی حوالے سے جائزہ لیا جائے تو یہ حصہ بحر ہزج میں بیان کیا گیا ہے۔

فاعلاتن، فاعلن، فاعلاتن، فاعلن

نوری ء ناداں نیم، سجدہ بآدم برم

او بہ نہاد خاک است، من بہ نژاد آذرم

یہ عظمت تخیل کی اعلیٰ وارفع سطح ہے جس کے زیر اثر صبح ازل کے منکر سے بلند آہنگی کے ساتھ سامنے آرہی ہے۔ اقبالؒ خود لکھتے ہیں:

من ز تنگ مایگاں گدیہ نہ کردم سجود

قاہر بے دوزخم، داور بے محشرم

آدم خاکی نہاد، دوں نظر و کم سواد

زاد در آغوش تو پیر شود در برم

نظم کے تیسرے حصے میں آدم و ابلیس کے روبرو ہیں جہاں ابلیس اپنے منفرد جارحانہ انداز بیان کی صورت میں بلند و بانگ لہجے میں ناصحانہ انداز میں آدم کی تصیح کرنے یعنی اسے بہکانے ور غلانے میں اپنے حربے برتتا ہے۔

زندگی سوز و ساز، بہ ز سکون دوام

فاختہ شاہیں شود، از تپش زیر دام

ہیچ نیامد ز تو غیر سجود نیاز

خیز چو سرو بلند، اے بعمل نرم گام

قطرہء بے مایہ، گوہر تابندہ شو

از سر گردوں بیفت گیر بدریا مقام

تو نہ شناسی ہنوز شوق بمیر ز وصل

چیست حیات دوام؟ سوختن ناتمام

یہاں بحر ہزج استعمال کی گئی ہے اس مقام پر ابلیس بہ صورت پیر مرد دانش مند کی مثال اپنی زندگی کی سیکھ ہے۔مشاہدات و تجربات کی روشنی میں ایک جو ئندگان حیات کی تربیت کرتا ہے۔وہ فرد جو زندگی کے نشیب و فراز، اتار چڑھاؤ کا تجربہ کرتا ہے یعنی درون مے خانہ تمام اسرار و رموز سے واقف ہے۔ ایسے انسان کو سمجھاتا ہے، جو کار خانہء کائنات کے پردہ شہود پر جلوہ افروز ہونے جارہا ہے۔پہلا قدم اٹھانے والا ہے، نظم کے فکری پہلوؤں کے تحت ابلیس کا لہجہ زیادہ پر مغز اور حقیقت شناسی ظاہر کرتا ہے۔ نظم کے چوتھے حصے میں آدم جنت سے نکل رہا ہے۔جو المیہ کا اہم حصہ ہے یہیں اس کی حکم عدولی یعنی ممنوعہ ذائقوں کے چکھنے کی خواہش اسے راہندہ درگاہ کروانے کا سبب بنتی ہے۔یوں زندگی کے مختلف تجربات اور متنوع امکانات و قیاسات سے گذر چکا ہے اب اس کا انداز بیان ایک فرد جہاندیدہ کا انداز اپنا چکا ہے یہیں بحر میں بھی نیا انداز اختیار کیا گیا۔اور بحر کامل کو برتا گیا ہے۔

متفاعلن، فعولن، متفاعلن، فعولن

چہ خوش است زندگی را ہمہ سوز و ساز کردن

دل کوہ و دشت و صحرا بہ دمے گداز کردن

GUMAN گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

اس حصے میں مجبوری اور تشکیک کی بجائے خود مختاری اور یقعین پیہم کا انداز نمایاں ہو جاتا ہے۔ زندگی کے سوز اپنی ذات کے حتمی امکانات (تصور خودی) سے آگہی پر ایک فرد بیرون بہشت مکالمہ کرتا ہے۔ بعض مکالموں میں خود کلامی بھی ابھرتی ہے۔ اور آخری حصے میں آدم خدا کے حضور موجود ہے۔ صبح قیامت، حساب کتاب کا اولین مرحلہ بامعنی انداز میں سامنے آتا ہے۔ بحر میں لازمی تبدیلی ہے یہاں پر بحر منسرح مثمن کا استعمال کیا گیا ہے۔

مفتعلن، فاعلن، مفتعلن، فاعلات

لب ولہجہ میں واضح شیرینی نمایاں ہو جاتی ہے۔ زندگی کے تجربات، سوز و درد سے حاصل شدہ تیقن اس حصے میں جزوی یا کلی انداز میں موجود ہے۔ ابلیس کے مکالمے کے پس منظر میں آدم کی اپنی ذات کی تائید اور بارگاہ عزوجل میں منوانے کی ہر ممکن سعی اور شعوری کوشش قابل توجہ بنتی ہے۔ یہ پہلو مرد کامل اور مومن برحق کا انداز بیان بن کر نظم کے اس حصے کو معنویت عطا کرتا ہے۔

"گرچہ فسونش مرا برو ز راہ صواب

از غلطم در گزر عذر گناہم پذیر

کلام اقبالؒ کی یہ نظم پوری فارسی شاعری کی روایت میں جدت کی ترجمان ہے۔ اسلوب بیان، ہیئت و تکنیک پر مبنی بہترین سعی ہے۔ کیونکہ یہ موضوع کسی اور زبان میں مختصر، جامعیت اور اثر پزیری کا حامل نہیں ہے۔ اقبالؒ کی بعد میں لکھی گئی۔ کئی اردو و فارسی نظموں میں خصوصاً اردو کلام میں (خضر راہ، شمع اور شاعر، ابلیس کی مجلس شوری مکالمہ مابین، جبریل و ابلیس وغیرہ) میں یہ تکنیک اختیار کی گئی اور اقبالؒ کی ان نظموں میں فکری تنوع اور فنی و تکنیکی تجربات کی جدت کامیاب پہلو ہے مگر اس کی معنوی تہیں تسخیر فطرت کی حد کو نہیں چھو سکیں۔ اسی طرح اگلے حصے "فصل بہار" پیام مشرق کی دوسری نظم میں تکنیکی انفرادیت ابھر کر سامنے آتی ہے۔ اس نظم میں چھ بند شامل ہیں، ہر بند میں سات مصرعے ہیں آخری مصرعہ پہلے کی تکرار نمایاں کرتا ہے۔ اس میں بحر منسرح مثمن ہے۔ پہلا اور آخری مصرعہ 14 ارکان پر مشتمل ہے۔ جس کے درمیان پانچ مصرعے ہم ردیف، ہم قافیہ دو دو ارکان کے وزن میں مماثلت ہے۔

مفتعلن، فاعلات، مفتعلن، فاعلات

حجرہ نشینی گداز، گوشہ ء صحرا گزیں

بر لب جوئے نشیں

آب رواں را بہ بیں

نرگس ناز آفریں

لخت دل فرودیں

GUMAN گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

بوسہ زنش بر جبیں

حجرہ نشینی گزار، گوشہء صحرا گزیں

یوں اس کی اہم تکنیک یہ ہے کہ پہلے اور آخری مصرعے کے دو ارکان پر مشتمل چھوٹے مصرعے ہم قافیہ ہیں، جس میں ہیئت و تکنیک کو مخصوص اصطلاح سے واضح کرنا ممکن نہیں۔ یہ نہ مخمس ہے نہ مسدس کیونکہ دونوں ہیئتوں مصرعوں کے وزن تقریباً یکساں ہوتا ہے۔ مصرعے چھوٹے بڑے نہیں ہوتے، یہ نیا تجربہ کسی ایسی صنف کے دائرے کے لیے اہم نہیں ہے، جو موضوعی ہو۔ بقول کروچے اور میتھیو آرنلڈ:

"الہام اور غنائیت جب اظہار میں ڈھلتے ہیں تو

صنفی تعین بہت پیچھے رہ جاتا ہے۔15

اس نظم میں بحر و اوزان کی روانی قابل دید ہے۔ جسے سرمست آب رواں ریشم کی طرح صرصر بہ دوش سرور محو ہے۔ اس نظم میں فطرت کی اسیر اہم موضوع کے طور پر نمایاں ہے۔ جو فطرت کے تمام خوشنما رنگوں کے نیچرل انداز میں تخلیق کے قالب میں ڈھل گئی ہے۔ "پیام مشرق" میں اہم تیسرا حصہ "سرود انجم" میں جھلکتا ہے جو بحر رجز ربع اور بحر رجز مثمن کے حوالے سے نمایاں ہے۔ یہ نظم مخمس بند میں دکھائی دیتے ہے مگر ہر بند کے چار مصرعے ہم قافیہ ہیں پانچویں مصرعے کا آخر میں مسلسل ردیف کی تکرار ملتی ہے۔

"دور فلک بکام ما، مے نگریم و مے رویم

عالم دیر وزود را، مے نگریم و مے رویم

بازی روزگار ہا، مے نگریم و مے رویم"

یہ نظم میں "انجم" کو کردار کے انداز میں لیا ہے۔ ڈراماءی انداز خود اقبالؒ کو پسند ہے۔ جس کی جھلک اس نظم میں منفرد انوکھی تکنیک کے طور پر نمایاں ہے۔16

ایک اور نظم "کرمک شب تاب" میں تکنیکی انفرادیت اور تنوع موجود ہے۔ اس نظم میں بحر ہزج مثمن برتی گئی ہے اس نظم میں نو بند ہیں اور ہر بند اڑھائی مصرعوں کی ترکیب پر ترتیب دی گئی ہے۔ ہر بند کے پہلے دو مصرعے "مفعول/ مفاعیل/ مفاعیل/ مفاعیل کے وزن میں ہیں جبکہ آدھا مصرعہ جو اصل میں ہر بند کا تیسرا مصرعہ ہے۔ مفعول/ مفاعیل کے وزن پر ہے۔ تمام بند ہم قافیہ ہیں۔ نظم ایک فلسفیانہ تناظر زیست کا بہ خوبی اظہار ہے۔ مگر اس سنجیدگی، فکر و فلسفہ نے شعری حسن کو متاثر نہیں کیا۔ بلکہ نظم کی داخلی غنائیت اور موسیقیت روانی اور بہاؤ میں اہم ہے۔ نظم کا یہ آہنگ تجریدی سے تجسیم کی جانب گامزن دکھائی دیتا ہے۔

GUMAN گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

"پیام مشرق" کی اہم اور نمایاں نظم وہ پانچویں نظم "حدی" (نغمہ ءساربان حجاز) ہے جس میں اقبالؒ نے تکنیک کا نیا تجربہ کیا ہے۔ یہ نظم دو بحروں پر مشتمل ہے۔

بحر منسرح مربع: مفتعلین/فاعلن ناقہ ءسیار من

منسرح مثمن: مفتعلن/فاعلن/مفتعلن/فاعلات

تیز ترک گامزن منزل ما دور نیست

اس نظم میں "سرود انجم" کی طرح ایک گیت/نغمے کی کیفیت نمایاں ہے۔ اصطلاح میں "حدی" اس نغمے یا گیت کو کہتے ہیں جو ساربان اپنی ناقہ کو تیز رفتاری کے لیے سناتے ہوئے آگے بڑھتا ہے۔ علامتی انداز میں متنوع تکنیک کی مثال کے طور پر لکھی گئی ہے۔ آٹھ بند اور ہر بند میں پانچ پانچ ہم ردیف ہم قافیہ مصرعے کے ساتھ ٹیپ کے مصرعے پر ترتیب شامل ہے۔

اس نظم کا موضوع صحراؤں میں گائے جانے والے نغموں کی روانی، سادگی، بلند آہنگ اور تاثیر کا منفرد انداز نظم کی خوبصورتی ہے۔ "پیام مشرق" میں "شبنم" میں تکنیک کا آخری تجربہ عروج پر ملتا ہے۔ بحر ہزج مثمن اور بحر مضارع (مربع) کی طرز برتی گئی ہے۔ تکنیکی تنوع پیچیدگی اور دلکشی کے ساتھ نظم کے اسلوب کو نمایاں شناخت عطا کر رہا ہے۔ نظم نو بندوں پر مشتمل ہے۔ ہر بند پانچ مصرعوں پر ترتیب دیا گیا ہے۔ پہلے دو مصرعے بحر مثمن میں جب کہ آخری تین بحر مربع پر مشتمل ہیں تمام مصرعے ہم قافیہ ہیں۔

بحر ہزج مثمن: مفعول/مفاعیل/مفاعیل/مفاعیل

من عیش ہم آغوشی دریانہ خریدم

بحر مربع: مفعول/مفاعیل

از خود نہ رمیدم

نظم کرداری تشکیل کے حوالے سے لکھی گئی ہے جس میں فلسفیانہ مباحث نمایاں ہیں۔ سوالیہ لب ولہجہ۔ وحدت الوجودی مباحث کو دو نمایاں کرداروں کے مابین روانی اور غنائیت سے بھرپور مکالمے سے ترتیب دیا گیا ہے۔ اس نظم میں وحدت الجودی تفکر کا تناظر پھول اور شبنم کی علامتی معنویت بامعنی پہلو کا حامل ہے۔ نظم کی سب سے اہم خوبی اختصار ہے۔

دم؟ گرم نوائی است

جاں؟ چہرہ کشائی است

ایں راز خدائی است

GUMAN
گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

تین مصرعوں میں اختصار اور جامعیت معنی کا جہاں انوکھے طرز پر ابھرتا ہے جس کی مثال کم ملتی ہے۔

کلام اقبالؒ کے تمام فنی اور اسلوبیاتی تجربات اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ یہ تمام نظمیں اور دیگر تمام کلام (فارسی اور اردو) اچھوتے اظہار کا انداز رکھتی ہیں۔ مگر نظم معرٰی کے آغاز کی مثالیں چیدہ چیدہ معاصر شاعری میں ملتی ہیں۔ مگر اس کی تکنیکی مثالیں کم ملتی ہیں۔ جبکہ اقبالؒ کے ہاں فنی خلاقی اور فکری طرز بیان نہ صرف اردو بلکہ فارسی نظم میں منفرد تکنیک کا باعث بنتا ہے۔ انہی نظموں کی پیش قدمی سے ہی "جاوید نامہ" جیسی منفرد اچھوتے خیال کی نظم اور مسجد قرطبہ اور طلوع اسلام، مکالمہ جبرئیل وابلیس اور دیگر شہکار کلام صفحہء قرطاس کی زینت بنتا گیا۔

علامہ اقبالؒ کی فکر کی روشنی میں مختلف نظریات کی سمت اپنے معنی میں اجاگر ہوتی چلی جاتی ہے۔ اقبالؒ "پیام مشرق" میں لکھتے ہیں:

"عشق است کہ در جانت ہر کیفیت انگیزد

از تاب وتب رومی تا حیرت فارابی

ایں حرف نشاط آور، می گویم و می رقصم

از عشق دل آساید، باایں ہمہ بیتابی

ڈاکٹر یوسف خاں لکھتے ہیں:

"اقبالؒ کا تصور عشق دوسرا شعراء کے متصوفانہ یا رسمی عشق سے بالکل مختلف ہے عشق ان کے ہاں زندگی کا ایک زبردست محرک عمل ہے، جو ایک طرف تسخیر فطرت میں انسان کی مدد کرتا ہے۔ دوسری طرف اسے کائنات کے ساتھ متحد رکھتا ہے۔ عشق سے فرد کی نظر میں اتنی بلندی اور قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ ہمت مردانہ کے سامنے جبریل کو "صید زبوں" خیال کرنے لگتا ہے۔ اور وجدان کی کمند سے ذات ایزدی پر قابو پانے کے منصوبے بناتا ہے۔"17

در دشت جنون من جبریل زبوں صیدی

یزداں بہ کمند آور ای ہمت مردانہ

یہ عشق ہی ہے جس کی بدولت آدمی میں حریت و آزادی اور طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔ عشق باطنی شعور ذہن پر حقائق کے راز اس طرح فاش کر دیتا ہے کہ ظاہری علوم یعنی عقل و حکمت اس کے غلام بن جاتے ہیں بقول اقبالؒ

من بندہء آزادم عشق است امام من

عشق است امام من عقل است غلام من

عشق ہی سے اسرار شہنشاہی کھلتے ہیں آداب خود آگاہی معلوم ہوتے ہیں۔ عشق بے خطر ہوتا ہے۔اس کے جلال سے ہی عاشق کانپ اٹھتے ہیں۔، جبر و قہر کا سکہ اٹھ جاتا ہے حریت اور آزادی کا تسلط قائم ہو جاتا ہے استبداد اور استعماریت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

باسلاطین درفتد مرد فقیر

از شکوہ بوریا لرزد سریر

از جنون می افکند ہوئی بہ شہر

وارہاند خلق را از جبر و قہر

می نگیرد جز بآن صحرا مقام

کاندرو شاہین گریزد از حمام

قلب او را قوت از جذب و سلوک

پیش سلطان نعرہ او لاملوک

ان سب طاقت وراز کا محور و مرکز اور منبع ایک ہے اور وہ اقبالؒ کی نبی مکرم ﷺ سے شدید قلبی وابستگی جو ان کا تصور حیات ہے اور وہ اسے حاصل کائنات سمجھتے ہیں۔اسی حوالے سے ڈاکٹر جاوید اقبالؒ فرماتے ہیں:

"اقبالؒ کے تجربے میں عشق رسول ﷺ ہی الوہی نعمت ہے

جس کے ذریعے وہ اپنے تمام فکری مسائل حل کر سکتے تھے۔18

سید عابد علی عابد لکھتے ہیں:

"رسول کریم ﷺ سے اقبالؒ کی عقیدت رسم و روایت

پر مبنی نہیں بلکہ ذاتی فکر اور عمیق سوچ بچار

کا نتیجہ ہے۔19

GUMAN گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

علامہ اقبال کے فکری نظریات کے حوالے حب رسول ﷺ کے فوائد و ثمرات کا ہی فیضان ہے کہ انسان زمین و آسمان کی نعمتوں اور عشرت سے سرفراز ہو سکتا ہے۔

ہر کہ عشق مصطفی ﷺ سامان اوست

بحر و بر در گوشہء دامان اوست

ڈاکٹر علامہ اقبالؒ کے خیال میں حب رسول ﷺ ہر مسلمان کی ایمانی روح کی تکمیل کا باعث ہے۔ اس سے سے گریزاں انسان تن مردہ اور قلب خالی از عشق کے سوا کچھ نہیں۔ کیونکہ مادہ پرستی کے اس جدید عہد میں نسل نو حضور ﷺ کی شان محبوبیت اور ان کی عظمت و قدر و منزلت اور دین اسلام کی حقانیت سے بے بہرہ ہے اس امت مسلمہ سے آپ ﷺ کی تعلیمات سے بہ ظاہر گریز کر لیا یا بے خبر ہے اس کے ساتھ ساتھ ظلم یہ کہ صدیوں کی استعماریت اور اسلام دشمن سازشوں کے نتیجے میں مسلمانوں کی قلب و نظر نور ایمانی سے خالی ہے اور عشق رسول ﷺ سے انجان ہے۔ جاوید نامہ میں جمال الدین افغانی کی زبانی مسلمانوں کا حال بیان کرتے ہیں:

منزل و مقصود قرآں دیگر است

رسم و آئین مسلماں دیگر است

در دل اور آتش سوزندہ نیست

مصطفی در سینہ او زندہ نیست

بندہء مومن ز قرآن برنخورد

در ایاغ او نہ می دیدم نہ درد

اقبالؒ کے نزدیک عشق میں قوت اعصاب کی سختی، درشتی سے پیدا نہیں ہوتی اس کی قوت زمینی نہیں الہی ہے۔ عاشق کے رگ و پے میں حق تعالیٰ کی قوت کام کرتی ہے وہ لکھتے ہیں۔

از نگاہ عشق خارا شق شود

عشق حق آخر سراپا حق شود

علامہ اقبالؒ ایک ایسے بے مثل مرد آفاقی کی ہے جو رنگ و نسل، زبان اور جغرفیائی حدود و قیود ہے۔ ماوراء ہے رنگ، نسل اور قوم کے جن امتیازات کو اسلام نے ختم کیا اقبالؒ نے اس کی وضاحت بار بار اپنے اشعار میں کی ہے۔ اور ہر جگہ وضاحت کا ایک جداگانہ پیرایہء اختیار کیا ہے۔ جداگانہ بھی اور اس لحاظ

سے منفرد بھی کہ ہر جگہ کہی ہوئی بات میں ایک نیا لطف اور نئی تاثیر ہے۔"رموزِ بے خودی" میں لم یلد ولم یولد" کی تشریح کے دوران میں ایک جگہ کہتے ہیں۔

نیست از روم و عرب پیوند ما

نیست پابند نسب پیوند ما

دل بہ محبوب حجازی بستہ ایم

زیں جہت بایکد گر پیوستہ ایم

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ دنیاءِ اسلام بکھری ہوئی مملکتوں میں بٹ گئی ہے اور ہر مملکت اپنے اپنے حدود اور ان حدود کے اپنے الگ جغرافیائی ،معاشی اور سیاسی تقاضے ہیں۔ان مملکتوں کے اس وجود کی کثرت کو تسلیم کرتے ہوئے ہم وحدت کے رشتوں کو کس طرح استوار کریں۔اقبالؒ کے سامنے بھی یہی سوال تھا۔اس کا جواب انہوں نے دیا لیکن وہ جواب دینے سے پہلے ایک مسلمہ حقیقت ہمارے سامنے رکھی ہے اور وہ حقیقت ہے۔

کثرت ہم مدعا وحدت شود

پختہ جوں وحدت شود ملت شود

(رموزِ بے خودی)

اور اس کے بعد ایک اور حقیقت یہ ہے:

زندہ ہر کثرت ز بند وحدت است

وحدت مسلم ز دین فطرت است

اور یہ دین فطرت دنیا تک قرآن کے وسیلے سے پہنچا ہے اور قرآن آئین ہے جس کی روح کو اپنے فکر وجذبہ میں جذب کر کے ملت اسلامیہ کا پیکر قوت زندگی اور دوام حاصل کرتا ہے وہ لکھتے ہیں:

از یک آئین مسلماں زندہ است

پیکر ملت ز قرآں زندہ است

اقبالؒ نے اپنے ایک مضمون (جغرافیائی حدود اور مسلمان) میں مسلمانوں کی ملی ابتری ار انتشار کے اسباب کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"مجھ کو یورپین مصنفوں کی تحریروں سے ابتداء ہی میں

یہ بات اچھی طرح معلوم ہو گئی تھی کہ یورپ کی ملوکانہ اغراض

اس امر کی متقاضی ہیں کہ اسلام کی وحدت دینی کو پارہ پارہ
کرنے کے لئے اس سے بہتر کوئی حربہ نہیں کہ اسلامی ممالک
میں فرنگی نظریہ وطنیت کی اشاعت کی جائے۔"20

یہ فکری پہلو اپنے اشعار میں کچھ یوں بیان کی ہے:

گرد مغرب آں سراپا فکر و فن
اہل دیں را داد تعلیم وطن

علامہ اقبال کو یورپین کلچر کی روح سے سخت نفرت تھی ان کے نزدیک یہ لوگ نسخہء شفا کو حاصل نہیں کر سکے جو صرف اسلام کے پاس ہے ان کی فکر حکمی و عرفانی کا بنیادی سرچشمہ قرآن حکیم ہے۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی رائے ہے کہ:

"اقبالؒ نے کبھی محض ایک فلسفی یا مفکر ہونے کی حیثیت سے دنیا
کی موجودہ سیاسی و معاشی مشکلات پر غور نہیں کیا بلکہ وہ ہر
چیز پر ایک زبردست اسلامی مفکر کی حیثیت سے نگاہ ڈالتے تھے۔21

اقبالؒ کا قرآن کے ساتھ ایسا تعلق ہے جو اس بات کا بین ثبوت ہے۔ کہ قرآن ان کے نزدیک کتاب نہیں بلکہ "الکتاب" ہے۔ قرآن دانش و حکمت کا لازوال سرچشمہ ہے۔ قرآن اللہ کی کتاب ہے اور ملت محمدیہ کا آئین ہے قرآن دستور حیات ہے مکمل ضابطہء حیات دین و دنیا میں فلاح کی ضمانت ہے

علامہ اقبالؒ لکھتے ہیں:

آں کتاب زندہ قرآن حکیم
حکمت اور ایزال است و قدیم

علامہ اقبالؒ اپنے مشہور و معروف خطبات میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

"صوفیہ اسلام میں ایک بزرگ کا قول ہے کہ جب تک
مومن کے دل پر بھی کتاب (قرآن حکیم) کا نزول نہ ہو جائے
جیسے آنحضرت ﷺ پر ہوا تھا اس کا سمجھنا محال ہے۔22

شاعر مشرق علامہ محمد اقبالؒ نے قرآن حکیم کی ابدی تعلیم اور ازلی صداقتوں کے بارے میں جو بھی فکر وضع کی اور اس کے ساتھ اپنا والہانہ رشتہ جوڑا ہے اس اظہار کچھ اس طرح کرتے ہیں:

گر ہمی خواہی مسلماں زیستن

نسیت ممکن جز بقرآن زیستن

علامہ اقبال کا کلام اگرچہ زیادہ تر مذہبی، سیاسی، فلسفیانہ، صوفیانہ اور قومی مسائل پر مشتمل ہے لیکن اس حقیقت سے بھی صرف نظر نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے جن حقائق و مسائل کے متعلق اپنے خیالات ظاہر کیے ہیں اور ان کی توضیح کے لیے جو مثالیں اپنے کلام میں پیش کی ہیں۔ان میں شاعری بہت کم پائی جاتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ مختلف عنوانات میں ان کی شاعرانہ حیثیت کو مکمل صورت میں ان کے کلام میں دیکھتے ہیں۔ان کا کمال یہ ہے، کہ انہوں نے حکمی و عرفانی مسائل کو اپنی فکر کے سانچے میں ڈھال کر شعر و سخن کی دنیا میں موتی بکھیر دیئے۔ آفاقی پیغام یا نظام حیات کو اس طرح جذب کر لیا کہ وہ فلسفہ کا جز نہ رہا۔ بلکہ اسے حیکمانہ لب ولہجہ عطا کیا اسی حوالے سے پروفیسر ڈاکٹر رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں:

اقبالؒ کی شاعری خود شاعری کی معراج ہے انہوں
نے جذبات کو فکر کا درجہ دے دیا ہے۔ اور فکر
کو جزبات کا آب ورنگ بخشا ہے دونوں صورتوں
میں اقبالؒ کا آرٹ و ایقان دوش بدوش کار فرما ہے۔
بحیثیت مجموعی ان کا کلام پڑھ کر ہمیں یہ محسوس
نہیں ہوتا کہ اقبالؒ کہاں تک حکیم اور کہاں اور کس
حد تک شاعر ہیں بلکہ حکیم اور شاعر ایک دوسرے
میں یا ایک دوسرے سے مربوط نظر آتے ہیں۔"23

کلام اقبالؒ کے مجموعی جائزے سے یہ تاثر دلیل بن جاتا ہے کہ علامہ اقبالؒ ایک نگاہ دوررس رکھتے تھے۔ جہنوں نے نہ صرف قوموں کے عروج وزوال کو دیکھا پرکھا، حالات کا تجزیاتی مطالعہ اور منفرد نقطہ نظر پیش کیا۔ عمیق مطالعے کی وسعتوں علامہ نے اپنے شعور کو اجالا اور چونکانے والے ترقی پسندانہ تصورات پیش کیے۔ اقبالؒ کے فکری مقلدین نے ان کی روحانیت پسندی اور مابعد الطبیعات پر غور و فکر کیا مگر یہ پہلو نظر انداز کیا کہ اقبالؒ در حقیقت معروضی رویوں کے شاعر ہیں۔ زمینی تقاضوں اور انقلابی حقائق کی تفہیم کے شاعر ہیں۔ کلام اقبالؒ سے یہ حقائق روشن ہوتے ہیں کہ علامہ اقبالؒ مثبت

GUMAN گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

قدروں کے قائل ہیں۔ جنھوں نے تاریخ کے فعال عناصر روشنی اخذ کر کے حال کو توانائی بخشی اور مستقبل کے صحت منداور ترقی پسند تصورات کی آبیاری بڑے کمال سے کی ہے۔

حوالہ جات:

محمد اقبال علامہ ڈاکٹر، پیام مشرق، فارسی مجموعہ کلام، انجمن ترقی اردو لاہور، 1923،

قرآن حکیم، سورۃ المائدہ آیت نمبر، 105

طباطبائی، المیزان، 1417ھ ج، ص169 حوادی 1795، ہجری ص 181

محمد اقبال علامہ ڈاکٹر، جاوید نامہ، قبال اکادمی لاہور معاون انجمن ترقی اردو دہلی 1932

محمد اقبال علامہ ڈاکٹر، اسرار خودی، دیباچہ (اقبال) مکتبہ جامعہ نگر نئی دہلی 1993، ص8

محمد اقبال علامہ ڈاکٹر، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ خطبہ چہارم، اقبال اکادی پاکستان لاہور 1991، ص78

ایضا، ص79۔۔91

محمد اقبال علامہ ڈاکٹر، رموز بے خودی، جاوید نامہ، کلیات اقبال الفیصل پبلی کیشنز لاہور 1970۔

محمد عبدالسلام، افکار اقبال، فروغ اردو نئی دہلی، ناشران تاجر کتب لاہور 2000، ص20

محمد اقبال علامہ ڈاکٹر، اسرار خودی، مکتبہ جامعہ نگر دہلی، 1993

کرمک شب تاب" کے عنوان سے اس حصے میں دو نظمیں شامل ہیں، کتاب کا وہ نسخہ جو یہاں پیش نظر ہے شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور کا شائع کردہ ہے۔ یہ اس کتاب کا چودھواں ایڈیشن ہے جو 1975، میں طبع ہوا۔ اس میں پہلی نظم صفحہ 109 پر اور دوسری صفحہ 117 پر ہے۔ پہلی نظم میں تکنیک بالکل نئی ہے۔ جب کہ دوسری نظم صرف تین اشعار کی اور غزلیہ انداز کی حامل ہے۔

فرمان فتح پوری ڈاکٹر، اقبال سب کے لیے، الوقار پبلی کیشنز لاہور 1996 ص، 433

عبدالشکور احسن، اقبال کی فارسی شاعری کا تنقیدی جائزہ، اقبال اکادمی لاہور 1977، ص85

غلام رسول مہر مولانا، اقبال شناسی کے زاویے، مہر سنز لاہور 1988، ص312

کروچے، شاعری کا جواز، مشمولہ ارسطو سے ایلیٹ تک، مترجمہ ڈاکٹر جمیل جالبی، نیشنل بک فاونڈیشن، اسلام آباد 1996، ص428، 440

GUMAN
گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

اقبال کے شارح "یوسف سلیم چشتی" نے کرمک شب تاب" کی شرح میں دعوی کیا ہے کہ اقبال نے پیام مشرق" کے بعد جگنو (کرمک شب تاب) پر نظم نہیں لکھی۔ یہ دعوی تحقیقی حوالے سے بہت غلط ہی کیوں کہ "بال جبریل" میں اس موضوع پر ایک نظم موجود ہے جو "پیام مشرق" سے بارہ سال بعد شائع ہوئی۔

اللہ کا سو شکر کہ پروانہ نہیں میں دریوزہ گر آتش بیگانہ نہیں میں

یوسف حسن خان ڈاکٹر، روح اقبال، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور، 2010، ص 37
جاوید اقبال ڈاکٹر، زندہ رود، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلیکیشنز لاہور، 1981
سید عابد علی عابد، شعر اقبال، سنگ میل پبلیکیشنز لاہور، 2003 ص 161
سید عبدالواحد معنی مرتب، مقالات اقبال، طفیل آرٹ پرنٹرس لاہور، ص 222، 1982
مصنف، مدیر، محمد حسین سید، جوہر اقبال نمبر 1938، مکتبہ جامعہ حیدر آباد دکن ص 14
سید نذیر نیازی، تشکیل جدید الہیات اسلامیہ، اردو ترجمہ لاہور 1958، ص 279
پروفیسر رشید احمد صدیقی، گنج ہائے گراں مایا، دی پرنٹنگ پریس دہلی 1947، ص 182۔